ڈاکٹر نازیہ یونس

استاد شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

ڈاکٹر بادشاہ علی

استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ انٹر کالج مالا کنڈ

قتیل شفائی کی نظموں میں عورت کا المیہ

Dr. Nazia Younis

Asst. Prof, Urdu Department, National University of Modern Language, Islamabad

Dr. Badshah Ali

Lecturer Urdu Department,Govt Inter College Malakand.

Hard Ships of a women in the Poems of Qateel Shafai

Qateel Shifai has prominent position in the history and tradition of Urdu poetry due to his individuality, lyricism and universal thoughts. In his poetry women are found entangled in their diverse problems, sentiments and emotions, deprivations, psychological embarassments and feudalistic and capitalistic atrocities. This research article elaborates theese matters.

قتیل شفائی (پ ۱۹۱۹ء۔ م ۲۰۰۷ء) کا شمار بیسویں صدی میں اردو کے جدید اور مقبول ترین شعرا کی فہرست میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں عصری شعور اور خارجی میلانات فنی نزاکتوں اور رومانویت کی سحر انگیزی کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ فکری حوالے سے ان کی غزل اور نظم کے موضوعات زیادہ تر عالمی برادری، رواداری، روشن خیالی، خرد پسندی، آفاقیت، ہمہ گیر انسانیت اور مثبت رویوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ وہ بلا تفریق رنگ، نسل، قوم، زبان، مذہب، علاقہ اور جنس کے انسان سے محبت اور زندگی کو حسین اور خوب سے خوب تر بنانے کے خواہاں ہیں۔

> ” وہ صداقت کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہے ہیں۔ زندگی کے حسن و جمال کے وہ شیدائی ہیں زندگی ان کے نزدیک حُسن ہے اور حُسن زندگی۔“(۱)

بیسویں صدی دنیا کے انسانوں کے ہزاروں سالوں کی ارتقائی صورت کی اہم پیش رفت اور نقطہ ء عروج کے آغاز کی صدی ثابت ہوئی ہے۔ صنعتی انقلاب، سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ، جدید علوم، ادب اور فنون کے ساتھ پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دنیا کے مختلف خطوں اور تہذیبوں میں اجتماعی اور انفرادی آزادی کی تحریکوں سے مثبت نظریات اور رجحانات میں بھی اضافہ ہوا ہے جن کے اثرات بالواسطہ یا بلاواسطہ اردو ادب پر بھی نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

تاریخی اور ارتقائی تناظر میں زراعت کی ایجاد سے زمین کی قدر میں اضافہ ہوا۔ ملکیت کے احساس نے پدری نظام معاشرت کی بنیاد ڈالی جس میں عورت دوسرے درجے کا شہری بن کر بنیادی حقوق اور مراعات سے محروم ہو گئی۔ بیسویں صدی میں جمہوری رویوں، انفرادی و اجتماعی آزادی اور حقوقِ نسواں کی مختلف تحریکوں نے مرد اور عورت کی برابری اور مساوات کے شعور کو عام کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس صدی میں حقوق نسواں کے عالمی تصور کو عام کرنے میں علون وفنون، سیاسی و سماجی نظاموں کے بدلتے رجحانات وضروریات اور تحقیقی کاوشیں پیش پیش رہیں جن کے نتیجے میں برطانیہ میں ۱۹۱۸ء اور امریکہ میں ۱۹۱۹ء میں خواتین کو ووٹ کا حق حاصل ہوا۔

> ”خواتین کے حقوق کی جدوجہد کا دوسرا قابل ذکر ابھار ۹۱۲۰ء کے عشرے کے اوائل اور ۱۹۸۰ء کے عشرے کے اواخر میں سامنے آیا۔۔۔ اس دور میں خواتین نے شرائط ملازمت، تعلیم کے شعبے میں نمائندگی، حقوق ملکیت سے متعلق قوانین اور ایسے ہی دوسرے شعبوں میں برابری کے لیے آواز اٹھائی۔۔۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے کے اوائل سے خواتین کی تحریکوں کا تیسرا ابھار سامنے آیا جو ابھی تک جاری ہے۔“(۲)

اگرچہ حالات پہلے سے بہتر ہوئے مگر مردانہ معاشروں کے زیر اثر جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظاموں کے چنگل میں پھنسی ہوئی عورت کو ہنوز کئی نسلوں اور ذہنی ارتقا کا سفر درکار رہا ہے۔

اردو ادب اور خاص کر اردو شاعری میں عورت اپنے پورے رنگ، روپ اور جمال کی بھرپور جلوہ سامانیوں کے ساتھ ساتھ متذکرہ حالات، کش مکش، استحصال، آسودگی، حقوق اور مساوات کے متعدد حوالوں کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں خاص طور پر عورت سماجی حیثیت میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی، محبوبہ اور طوائف کے روپ میں نظر آتی ہے جس کی بھرپور عکاسی اردو نثر اور نظم دونوں میں پائی جاتی ہے۔ ہر چند کہ تانیثیت کے شعور اور جدید تانیثی مباحث کو جدید ادب کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عباس نیرّ:

” جدید اردو نظم میں عورت غائب نہیں ہے نہ جدید اردو نظم کی تاریخ میں اور نہ جدید نظم کے تخلیقی بیانیوں میں۔“ (۳)

مگر نسائیت کے ابتدائی مباحث و نظریات اور عورتوں کے بنیادی مسائل کی نشاندہی سے اردو ادب کی روایت کسی بھی دور میں تہی دامن نہیں رہی۔

قتیل شفائی کی شاعری رومان کے آدرشی میلانات کے ساتھ خارجی حالات اور تہذیب و تمدن کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں عورت بطور موضوع خالص جذبات، متنوع احساسات و کیفیات، مشکلات و مسائل، استحصال و استبداد، قدامت پرستی کا شکار اور تمام محرومیوں کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ اس حوالے سے فارغ بخاری لکھتے ہیں:

”عورت قتیل کا محبوب موضوع ہے۔ انہوں نے عورت کے مختلف روپ دیکھے ہیں۔ قتیل نے اس بدنصیب عورت کی زندگی کے جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ان نظموں میں نہ صرف ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے نیاپن ہے بلکہ ان کا اردو ادب میں ایک مقام بھی ہے۔“(۴)

سماجی ناہمواریوں اور معاشرتی نظاموں کی جکڑبندیوں میں گرفتار عورت مردانہ تسلط اور ذہنیت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ غیر معتدل حالات میں عورت کا وجود یا تو مرد کا دل بہلانے کا کھلونا بن جاتا ہے یا روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر سستا مزدور یا بازار کی جنس بن کر عورت کی ذات مسخ ہو کر ہوا میں معلق ہو جاتی ہے۔ ”راستے کا پھول“ اور ”کھلونا“ میں اس احساس اور کرب کی تصویریں جا بجا نظر آتی ہیں۔

”مذاق سا بنی ہوئی ہوں کائنات کے لیے
پکارتا ہے ہر کوئی بس ایک رات کے لیے
نچوڑ لو، مرے جواں لبوں کا رس نچوڑ لو
مرے اداس اداس عارضوں کے پھول توڑ لو(۵)

اڑا اڑا سا رنگ ہے
وہ آرہی ہے جس طرح کٹی ہوئی پتنگ ہے
نڈھال انگ انگ ہے(۶)

قتیل شفائی کے ہاں عورت کے مختلف روپ پائے جاتے ہیں۔ ان کی نظموں میں طوائف اور عصمت فروشی کی شکار عورت کثرت اور تکرار کے ساتھ موضوع بنی ہے۔ جنس کے بازار میں خریداروں کی آمد ورفت کا انحصار طوائف کے گداز جسم اور بھرپور جوانی پر ہوتا ہے۔ بظاہر چہرے پر غازہ، لبوں پر لالی، مصنوعی مسکراہٹ اور چمکتی آنکھوں سے ہر آنے والے گاہک کا استقبال کرنے والی طوائف کو ڈھلتی عمر کا احساس اور آخری ٹھکانا چھن جانے کا خوف کالے ناگ کی طرح ڈستا ہے۔ ''شمع انجمن'' اور ''نگار سمیں'' میں اس احساس کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

رہی نہ سانس میں خوشبو تو بھاگ پھوٹ گئے
گیا شباب تو اپنے برائے چھوٹ گئے
کوئی تو چھوڑ گئے، کوئی مجھ کو لوٹ گئے
محل گرے سو گرے، جھونپڑے بھی ٹوٹ گئے
کسی نے جام چرائے ہیں میرے سینے سے
کسی نے عطر نچوڑا میرے پسینے سے
رہا نہ کوئی ٹھکانہ![۷]

جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظاموں کی عمارت استحصال کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ جہاں مجبور اور بے بس انسانوں کے بنیادی حقوق غصب ہو جاتے ہیں۔ ان نظاموں کے پروردہ اذہان سرمائے اور طاقت کے بل بوتے پر ناممکنات کو بھی ممکن بناتے ہیں۔ پر تعیش زندگی اور من مانی جنسی تسکین کی ہوس رکھنے والے مردوں کے ہاں عورت کی وقعت بازار کی جنس سے زیادہ نہیں ہوتی جس کی ہر روز منڈی میں بولی لگتی ہے۔ قیمت ادا ہوتی ہے اور نیلام ہوتی ہے۔ ''داشتہ'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سرمائے کی اس منڈی میں جب سودے چک جاتے ہیں
پھول سے چہرے ارمانوں کے شعلوں سے پھک جاتے ہیں
اس منڈی میں پیار کا یوں نیلام اٹھایا جاتا ہے
ہر دو کوڑی والے کو فرعون بنایا جاتا ہے
جسم کی لذت ننگی ہو ہو کر جی کھول کے بکتی ہے
بکنے والی جنس یہاں خود منہ سے بول کے بکتی ہے[۸]

مردانہ معاشروں میں عورت کے وجود، تحفظ اور بقا کا دارومدار مرد کے مرہونِ منت ہوتا ہے۔ عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی بن کر باپ، بھائی، شوہر اور بچوں کی آسودگی کے لیے اپنا تن من اور زندگی کی خوشیاں نچھاور کرتی ہے۔ وہ کسی قسم کی قربانی اور جدوجہد سے گریز نہیں کرتی مگر خود پسندی، مادیت پرستی اور مردانہ ذہنیت کے سامنے اس کی ساری قربانیاں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔

نظم "سرتاج" کے آخری بند پر نظر ڈالیں۔

راتوں کی گھٹن ہو کہ گجر دم کی ہوائیں
گجروں کی یہ جھنکار جھروکے میں رہے گی
جب تک نہ حقائق سے ہٹا دے کوئی پردہ
عورت یونہی اخلاق کے دھوکے میں رہے گی(۹)

جہیز ایک معاشرتی ناسور کی طرح ہمارے اخلاقی اقدار اور تہذیبی نظام میں رچ بس چکا ہے۔ جہیز اگر ایک طرف بالائی طبقوں کی بناوٹی شان و شوکت، خود ستائش اور دکھاوے کا ذریعہ بن جاتا ہے تو دوسری طرف نادار طبقوں کی لڑکیوں کی زندگیوں میں ڈھلتی عمر کے ساتھ زہر گھول دیتا ہے۔ نظم ''گیت'' میں یہ احساس کچھ یوں ابھرتا ہے۔

''نئی نویلی کا سو انگ نند ساس نہ دیور
میکے سے بھی کیا لائی ہے ؟ کھوٹ کے پیلے زیور
اب کیا کسی سے آنکھ ملائے ؟ سوچ پڑی اکیلی
دلہن نئی نویلی(۱۰)

طبقاتی معاشروں میں غربت کے مارے ہوئے افراد سماجی اقدار اور معیار سے گر کر بے حسی اور بے ضمیری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی ضروریات اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر بعض اوقات چند سکوں کے عوض اپنے لختِ جگر کو بھی فروخت اور نیلام کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ عہدِ حاضر کی اس جبر میں زیادہ تر عورت کی ذات ہی نشانہ بنتی ہے۔ لڑکیوں کی خرید و فروخت چھوٹی بچیوں کا اغوا دلال اور نائیکوں کے کردار کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خباثت آج بھی ہمارے معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ بقول جارج ریلے سکاٹ:

"بعض طوائفیں ایسی ہوتی تھیں جنھیں شیر خواری کی عمر ہی میں چکلوں کے مالکوں نے ان کے والدین سے خرید لیا ہوتا تھا اور اپنی غرض کے لیے انہیں پڑھایا اور تربیت دلائی ہوئی ہوتی تھی۔" (۱۱)

اس صورت حال کی عکاسی "مغویہ" اور" چکلے" میں ملاحظہ ہو:

زندگانی کے عوض شرم و حیا کا نیلام
مجھ پہ اپنوں نے بھلا ظلم یہ توڑا کیوں تھا؟
صدی الجھی ہوئی سانسوں کو پرکھنے والو
غیر کے رحم و کرم پر مجھے چھوڑا کیوں تھا(۱۲)
ممتا کے ہونٹوں پر جب چاندی کی مہریں لگتی ہیں
ماں خود اپنی بیٹی کو کر دیتی ہے قربان یہاں(۱۳)

سرمایہ دارانہ اور سامراجیت کے شکار معاشروں میں عصمت فروشی اور جنس کے بازار میں بیٹھی ہوئی عورت کی ذات سماجی تقاضوں کے پابند نام نہاد اخلاقی اقدار، ثواب و گناہ اور پاکدامنی کے تناظر میں عمومی نفرت اور حقارت کا نشانہ بنتی ہے۔ اس پر اصلاح اور توازن کے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لازم نہیں کہ سرِ بازار نیلام ہونے والی عورت فطرتِ بد، ہوس یا حقیر ضمیر ہی کی پیداوار ہو۔ ناز نخروں سے گاہک کو مدعو کرنے والی وحشہ کے غم و آلائم، کرب و اذیت شاعر کے قوت تخلیق اور تخیل سے پنہاں نہیں ہو سکتے۔ اس ضمن میں " مغویہ" اور "کسبی" سے مثالیں پیشِ نظر ہیں۔

"لذت و جبر کا فرق اس کو نہیں ہے معلوم
کون اس مصلحت اندیش کا دل صاف کرے(۱۴)
پس پردہ حسن روتی جوانی ہمیشہ تڑپنے پر مائل رہی ہے
مگر تاجرانہ مرّوت ارادوں کے رستے میں حائل رہی ہے
"بلاتی رہی ہے خیالوں کی ڈولی سے اکثر کہاروں کو سونے سے پہلے
سنا ہے کہ یہ جنس بازار بھی ایک عورت تھی نیلام ہونے سے پہلے(۱۵)

انیسویں صدی کے اختتام پر تھیٹر فنی اور تکنیکی حوالے سے بام عروج پر پہنچ گیا تھا۔ سائنس اور فکشن کی روز افزا ترقی سے اس شعبے میں مزید وسعت آ گئی۔ جدید ذریعہ ابلاغ نے باقاعدہ طور پر شوبز کو ایک منافع بخش صنعت کا درجہ دیا۔ تماش بینی اور اداکاری کے اس پس منظر اور پیشِ نظر میں عورت کی ذات قدیم رقاصہ، وحشیہ اور طوائف سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ نظم " ایک عورت ایک ایکٹریس "کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

اس راز کو جب اہل ہوس عام کریں گے
اس لاش کے انگ انگ کو نیلام کریں گے
یہ جنس کچھ اس طرح سے ہر رات بکے گی
اس ہات سے نکلے گی تو اس ہات بکے گی
کہتا ہے زمانہ مجھے منظور یہی ہے
سرمائے کے ہر دیس کا دستور یہی ہے [۱۶]

ہر بن بیاہی اور جوان لڑکی کے دل میں آنے والی زندگی کے حوالے سے بے شمار خواہشات، امنگیں اور ارمان ہوتے ہیں۔ سکھیوں کا چھیڑنا، کہار کی رسم، ہاتھوں میں مہندی رچانا، ڈھولک کی تاپ پر رقص کرنا اور گانا بجانا وغیرہ ان امنگوں کے مختلف جزیات ہوتے ہیں۔ نظم "ٹریجیڈی" ایک ایسی لڑکی کا المیہ پیش کرتی ہے۔ جس کا بیاہ اس کی عمر سے زیادہ ایک رنڈوے سے طے ہوتا ہے۔

جس کو چھیڑا نہیں ہے سکھیوں نے
میں اک ایسی دلہن کو جانتا ہوں
بن چکی ہے جو ماں یتیموں کی
رخصتی کی رسوم سے پہلے [۱۷]

مذکورہ نظموں کے علاوہ قتیل شفائی کی متعدد نظموں میں عورت زندگی کے مختلف روپ اور مسائل کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ جن میں "بازار"، "ایک نظم"، "ایکٹرس"، "البم"، "عورت"، "ایکسٹرا"، "ذود پشیماں"، "تیرے بدن کے سوا"، "عمر پوشی"، "نائیکہ"، "معصوم"، "انوکھی"، "مطربہ"، "سراب"، "او قاف ایکٹ"، "اے مری جان طرب"، "نیا چاند" اور "نئ عید" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ قاضی عبدالسمیع، ڈاکٹر، خودرنگ جذبوں کا شاعر قتیل شفائی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۱۲۰

۲۔ جعفر احمد، ڈاکٹر، حقوق نسواں کی عالمی تحریک: ایک اجمالی جائزہ، مشمولہ، تاریخ میں عورت کا مقام، مرتبہ، ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۸۵

۳۔ عباس نیّر، ڈاکٹر، جدید اردو نظم کا تانیثی تناظر، مشمولہ، آدھی عورت۔ پورا ادب، مرتبین، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، ڈاکٹر حماد رسول، شازیہ یاسمین، شکیل حسین، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۱۶۰

۴۔ فارغ بخاری، ادبیات سرحد، جلد سوم، نیا مکتبہ، پشاور، ۱۹۵۵ء، ص:۴۹۶

۵۔ قتیل شفائی، گجر، رنگ، خوشبو، روشنی (کلیات نظمیں)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۴۳ تا ۴۴

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ قتیل شفائی، جلترنگ، کلیات نظمیں، ص:۱۲۴

۱۰۔ قتیل شفائی، گجر، کلیات نظمیں، ص:۹۱

۱۱۔ جارج ریلے سکاٹ، جسم فروشی کی تاریخ، مترجم: محمد احسن بٹ، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص:۱۳۰

۱۲۔ قتیل شفائی، جلترنگ، کلیات نظمیں، ص:۱۴۸

۱۳۔ قتیل شفائی، روزن، کلیات نظمیں، ص:۲۳۷

۱۴۔ قتیل شفائی، جلترنگ، کلیات نظمیں، ص:۱۴۸

۱۵۔ قتیل شفائی، روزن، کلیات نظمیں، ص:۲۱۵

۱۶۔ قتیل شفائی، جلترنگ، کلیات نظمیں، ص:۱۳۸

۱۷۔ قتیل شفائی، روزن، کلیات نظمیں، ص:۲۴۳ تا ۲۴۴